بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

اصلاحِ تعلیم کے سلسلہ میں ہمارے مخدوم مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے اپنی بلند پایہ کتاب "مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" میں ایک نظریہ وحدتِ تعلیم کا پیش کیا ہے مولانا کا یہ خیال صحیح ہے کہ تعلیم کو قدیم و جدید دو حصوں پر تقسیم کر دینا اور اس طرح تعلیم یافتہ مسلمانوں کا دو متخالف و متضاد گروہوں میں بٹ جانا انگریزی حکومت ہی کی ایک برکت ہے۔ ورنہ مسلمانوں میں دینی اور دنیوی علوم و فنون پر مشتمل ہمیشہ ایک ہی نصابِ تعلیم رائج رہا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج علوم و فنون کی اس قدر کثرت اور ان میں جو وسعت پیدا ہو گئی ہے وہ پہلے کبھی نہ تھی اور آج کوئی قوم اس وقت تک صحیح معنی میں مضبوط اور زندہ قوم نہیں ہو سکتی جب تک اس میں سب علوم جدیدہ و حاضرہ کے نہ صرف جاننے والے بلکہ ان میں بصیرت و مہارت رکھنے والے افراد موجود نہ ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص تمام علوم و فنون کا جامع اور ماہر نہیں ہو سکتا اور ایک علم و فن کی تدریس اور اس میں تحقیقی نظر پیدا کرنے کے لئے طبعی طور پر جن اسباب و آلات اور ماحول کی ضرورت ہے وہ دوسرے علم و فن کے لئے ضروری نہیں ہو سکتے۔ اس بنا پر اگر وحدتِ تعلیم سے مقصد یہ ہے کہ درسگاہیں ایک ہی قسم کی ہوں، نصابِ تعلیم سب کا یکساں ہو۔ اور ماحول بھی ایک ہو تو ایسا ہونا نہ صرف یہ کہ عملاً ناممکن ہے بلکہ قومی اعتبار سے نقصان رساں اور مضر بھی ہوگا۔

البتہ تعلیم کی مدت کو چند حصوں پر منقسم کرکے یہ کیا جا سکتا ہے کہ ابتدائی حصہ میں وحدتِ تعلیم کے نظریہ کو عملی شکل دی جائے اور وہ اس طرح کہ مثلاً میٹرک تک کا نصاب ایسا بنایا جائے اور وہ سب کے لئے لازمی ہو۔ کہ اُسے پڑھنے کے بعد ایک مسلمان طالب علم میں ایک طرف دینی علوم و فنون سے مناسبت پیدا ہو جائے اور دوسری طرف ضروری علوم عصریہ سے وہ ناآشنا نہ رہے۔ یہ نصاب پرائمری تعلیم کے ختم ہونے کے بعد زیادہ سے

زیادہ پانچ سال کا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد ہر طالب علم کو اس کا موقع دینا چاہئے کہ وہ اپنے فطری ذوق اور ذاتی صلاحیت واستعداد کے مطابق جس شعبہ میں چاہے کمال وامتیاز پیدا کرے۔ اس مرحلہ پر مدارسِ عربیہ میں انگریزی علوم وفنون کی یونیورسٹیوں کی طرح دینی اور عربی علوم کو مختلف شعبوں میں تقسیم کرکے ہر شعبہ کے لئے الگ الگ اولاً ثانوی تعلیم اور پھر اس کے بعد درجۂ تکمیل کا بندوبست کرنا چاہئے۔ درجۂ تکمیل میں تدریس کا کام کم اور ریسرچ کا کام زیادہ ہوگا!

اصلاحِ تعلیم کے سلسلہ میں جہاں نصاب وطریقِ تعلیم میں تبدیلی کرنا ضروری ہے، اتنا ہی ضروری یہ امر ہے کہ طلبا میں علمی شغف، دینی جذبہ اور اخلاقی فضائل پیدا کئے جائیں۔ ورنہ نصاب تعلیم کتنا ہی صالح اور مفید ہو اگر طلبا میں عام دنیا داروں کی طرح علم کو ذریعۂ معاش بنانے اور اس کے ذریعہ دنیوی جاہ ومنصب اور دولت وثروت حاصل کرنے کا جذبہ باقی رہا تو بہترین نصاب تعلیم سے بھی . . . . ہماری قومی مشکلات حل نہیں ہوسکتی۔ دورِ آخر میں ہماری علمی اور دینی تباہی کا بڑا سبب یہی رہا ہے کہ علماءِ سلف کے امتیازی اوصاف یعنی قناعت کیشی، مخلصانہ خدمت، دین کا جذبہ، بے غرض علمی انہماک ان سب کو عصرِ حاضر کی تہذیب نے بالکل تباہ کردیا اور ہر شخص مادی منفعت کی جستجو میں بے لوث خدمت کے جذبہ سے محروم ہوگیا یہ صحیح ہے کہ ہر شخص سے بے لوث وبے غرض خدمت کی توقع نہیں کی جاسکتی لیکن ہر زمانہ میں بہرحال ایک ایسی جماعت کا وجود حیاتِ ملی کے لئے ناگزیر ہے زمانہ کے نشیب وفراز اور رجحاناتِ عصری کے باعث اس جماعت کے افراد میں کمی بیشی ہوسکتی ہے لیکن یہ اندھیر تو نہ ہونا چاہئے جو آج نظر آرہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ افراد کے اعتبار سے خواہ کتنی ہی مختصر ہو لیکن قوم کو صحیح راستہ پر لیجانے اور ان میں دینی اور عملی خوبیاں پیدا کرنے اور ان کو نشوونما دینے کا کام ہمیشہ ایسی ہی جماعت نے انجام دیا ہے۔ ایسی جماعت کو قائم رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم ان کیلئے باعزت مگر آزاد وسائلِ معاش کا بھی انتظام کریں۔

آخر میں ایک اور اہم بات کی طرف توجہ دلانی ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے نزدیک جب تک خالص اسلامی حکومت نہ ہو مسلمانوں کی تعلیم کو حکومت کے اثر سے بالکل آزاد ہونا چاہئے۔ ہمارا یہ خیال عام تعلیم سے متعلق ہے خواہ وہ مدرسوں میں ہو یا کالج